ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ البقرۃ

تمہیدی کلمات

قرآن حکیم کی پہلی سورت سورۃ الفاتحہ ہے‘ جس کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں۔ یہ بات آپ کے سامنے آ چکی ہے کہ یہ وہ پہلی سورت ہے جو رسول اللہ ﷺ پر پوری کی پوری نازل ہوئی۔ اس سے پہلے صرف متفرق آیات نازل ہوئی تھیں۔ یعنی سورۃ العلق‘ سورۃ القلم‘ سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات۔

یہ بات بھی آپ کے سامنے آ چکی ہے کہ قرآن حکیم میں مکی اور مدنی سورتوں کے مجموعوں کے اعتبار سے بھی سات گروپ ہیں۔ پہلا گروپ وہ ہے جس کا ہم سورۃ الفاتحہ سے آغاز کر چکے ہیں۔ اس گروپ میں جو مکی سورت ہے وہ صرف سورۃ الفاتحہ ہے۔ یہ حجم کے اعتبار سے بہت چھوٹی لیکن اپنے مقام و مرتبہ اور فضیلت کے اعتبار سے بہت بڑی ہے‘ یہاں تک کہ اسے ''القرآن العظیم'' بھی کہا گیا۔ گویا یہ اپنی جگہ پر خود ایک عظیم قرآن ہے۔ اس کے بعد مدنی سورتیں چار ہیں۔ یہ طویل ترین مدنی سورتیں ہیں اور دو دو سورتوں کے دو جوڑوں پر مشتمل ہیں۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن حکیم کی اکثر سورتیں جوڑوں کی شکل میں ہیں‘ جبکہ کچھ منفرد بھی ہیں۔ سورۃ الفاتحہ منفرد ہے‘ اس کا کوئی جوڑا نہیں ہے‘ اگرچہ اس کی معنوی مناسبت قرآن مجید کی آخری سورت سورۃ الناس کے ساتھ جڑتی ہے‘ لیکن بہرحال اُس کا جوڑا سورۃ الفلق ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ دونوں سورتوں پر مشتمل ایک جوڑا ہے‘ لہٰذا سورۃ

الفاتحہ کا کوئی جوڑا نہیں ہے' یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پورا قرآن ہی اس کا جوڑا ہے۔

سورۃ الفاتحہ کے بعد جو چار سورتیں ہیں یہ جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران ایک جوڑا ہے جبکہ سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ دوسرا جوڑا ہے۔ اس کی سب سے نمایاں علامت یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران دونوں کا آغاز حروفِ مقطعات ''الٓمّٓ'' سے ہوتا ہے' جبکہ سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ دونوں میں بغیر کسی تمہید کے گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔ سورۃ النساء کا آغاز ہوتا ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ......﴾ اور سورۃ المائدۃ شروع ہوتی ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾۔ پہلے کوئی تمہیدی بات نہیں کی گئی۔

سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کا یہ جو جوڑا ہے' ان دونوں کو رسول اللہ ﷺ نے ''الزَّھراوَین'' کا نام عطا فرمایا ہے۔ ''زھراء'' کا مطلب ہے بہت تابناک' روشن۔ یہ لفظ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام کا جزء بن چکا ہے اور انہیں فاطمۃ الزہراء کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی لختِ جگر' نورِ چشم حضرت فاطمہ بہت ہی روشن چہرے والی خاتون تھیں۔ حضور ﷺ کے الفاظ کے مطابق سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران ''الزَّھراوَین'' یعنی دو انتہائی تابناک اور روشن سورتیں ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی آخری دو سورتوں کو ''المُعوّذتین'' کا نام دیا گیا ہے۔

پہلے گروپ کی ان مدنی سورتوں کے مضامین کے بارے میں جان لیجیے کہ دو مضمون ہیں جو اِن میں متوازی چلتے ہیں۔ پہلا مضمون شریعت اسلامی کا ہے۔ اس لیے کہ اس سے پہلے تقریباً دو تہائی قرآن نازل ہو چکا ہے۔ سورۃ البقرۃ پہلی مدنی سورۃ ہے' اس سے پہلے زمانی اعتبار سے پورا مکی قرآن نازل ہو چکا تھا' اگرچہ ترتیب میں وہ بعد میں آئے گا۔ اس میں شریعت کے احکام نہیں تھے۔ لہٰذا اب جبکہ مدینہ میں مسلمانوں کا ایک آزاد معاشرہ قائم ہوگیا' یا یوں کہہ لیجیے کہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی حکومت قائم ہوگئی' جہاں اپنے قواعد' اپنے قوانین' اپنے اصول کے مطابق سارے معاملات طے کیے جا سکتے تھے' تب شریعت کا نزول شروع ہوا۔ سورۃ البقرۃ میں یوں

سمجھئے کہ احکامِ شریعت کی ابتدا ہوتی ہے' جسے ہم جدید اصطلاح میں ''بلیو پرنٹ'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ کوئی بھی تعمیر کرنی ہو تو پہلے اس کا ابتدائی خاکہ بنتا ہے اور وہ نیلے کاغذ پر بنتا ہے۔ اس کے بعد اس کے تفصیلی نقشے بنتے ہیں۔ تو بلیو پرنٹ جو ہے شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا وہ سورۃ البقرۃ میں ہے۔ پھر سورۃ النساء میں اس کے اندر مزید اضافہ ہوتا ہے' اور سورۃ المائدۃ میں شریعت کے تکمیلی احکام آتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ المائدۃ تکمیل شریعت کی سورت ہے۔ اسی میں وہ آیت ہے: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ﴾ (آیت ۳)

دوسرا مضمون جو اِن سورتوں میں چلتا ہے وہ ہے اہل کتاب سے خطاب۔ مکی قرآن میں سارا خطاب مشرکین سے تھا' یعنی عرب کے وہ لوگ جو مکہ میں اور اس کے اردگرد آباد تھے۔ وہاں کوئی یہودی یا کوئی نصرانی نہیں تھا' سب کے سب مشرکین عرب تھے۔ تو پورے مکی قرآن میں انہی سے ردّ وقدح ہے' گفتگو ہے' بحث ونزاع ہے' ان کے اعتراضات کے جوابات ہیں اور ان پر اتمامِ حجت کیا گیا ہے۔ اگرچہ اہل کتاب کا تذکرہ حوالہ کے طور پر موجود ہے' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر موجود ہے' لیکن بنی اسرائیل سے' یہودیوں سے' یا نصاریٰ سے کوئی خطاب نہیں ہوا۔ ان سے خطاب مدینہ میں آ کر شروع ہوا ہے' کیونکہ وہاں یہودی آباد تھے۔ مدینہ میں یہود کے تین مضبوط قبیلے موجود تھے۔ تو یہ ہیں دو بنیادی مضمون اس پہلے گروپ کے۔ ان میں آپ کو ایک اور تقسیم نظر آ جائے گی کہ اہل کتاب میں سے جن سے ''یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ'' کے الفاظ سے خطاب ہو رہا ہے یعنی یہود' ان سے ساری گفتگو سورۃ البقرۃ میں ہے' جبکہ جو نصاریٰ ہیں ان سے گفتگو سورۂ آل عمران میں ہے۔

سورۃ البقرۃ کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اسے حضور ﷺ نے قرآن مجید کا ذروۂ سنام یعنی کلائمکس قرار دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں: ((اَلْبَقَرَۃُ سَنَامُ الْقُرْآنِ وَذُرْوَتُہٗ)) (مسند احمد) حجم کے اعتبار سے بھی قرآن کی سب سے بڑی سورت یہی ہے' ۲۸۶ آیات پر مشتمل ڈھائی پاروں پر پھیلی ہوئی ہے۔

سورۃ البقرۃ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور اس اعتبار سے میں نے اس کا ایک نام تجویز کیا ہے "سُورۃُ الاُمَّتَین" یعنی دو اُمتوں کی سورت۔ اس کے نصف اوّل میں اصل روئے سخن اُمت سابق یہود کی طرف ہے' جو اُس وقت تک اللہ کے نمائندہ تھے اور زمین پر وہی اُمت مسلمہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی بداعمالی کی وجہ سے اپنے آپ کو اس مقام کا نااہل ثابت کیا' لہٰذا وہ معزول کیے گئے اور ایک نئی اُمت اُمتِ محمد ﷺ اس مقام پر فائز کی گئی۔ تو نصفِ اوّل میں سابق اُمت سے گفتگو ہے اور ان پر گویا فردِ جرم عائد کی گئی ہے کہ تم نے یہ کیا' یہ کیا اور یہ کیا۔ ہم نے تم پر یہ احسانات کیے' ہم نے یہ بھلائی کی' تمہارے اوپر ہماری یہ رحمتیں ہوئیں' لیکن تمہارا طرزِ عمل یہ ہے' جس کی بناء پر اب تم معزول کیے جا رہے ہو۔ یہ مضمون ہے پہلے نصف کا۔ اور اب جو دوسری اُمت قائم ہوئی ہے یعنی اُمتِ محمد ﷺ اس سے خطاب ہے نصفِ ثانی کے اندر۔ تو اس کی یہ ترتیب ذہن میں رکھیے۔ پہلا حصہ اٹھارہ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کی آیات کی تعداد ۱۵۲ ہے۔ جبکہ دوسرا حصہ بائیس رکوعوں پر مشتمل ہے' لیکن تعداد آیات ۱۳۴ ہے۔ اِس طرح یہ دونوں حصے تقریباً برابر بن جاتے ہیں۔

نصفِ اوّل کے جو اٹھارہ رکوع ہیں ان کو بھی تین حصوں میں تقسیم کر لیجیے۔ پہلے چار رکوع تمہیدی ہیں۔ پھر دس رکوعوں میں بنی اسرائیل سے خطاب ہے۔ پھر چار رکوع تحویلی ہیں۔ تمہیدی رکوعوں میں سے پہلے دو رکوعوں میں تین قسم کے انسانوں کی ایک تقسیم بیان کر دی گئی جو دنیا میں ہمیشہ پائے جائیں گے۔ جب بھی کوئی نئی دعوت آئے گی تو کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اسے تہہ دل سے قبول کریں گے اور اس کے لیے "ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم" کے مصداق سب کچھ کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ وہ ہوں گے جو اس کی مخالفت پر اوّل روز سے کمر کس لیں گے اور اسے ہرگز نہیں مانیں گے۔ اور کچھ وہ ہوں گے جو بین بین رہیں گے۔ ان کا طرزِ عمل یہ رہے گا کہ بات کچھ اچھی لگتی بھی ہے لیکن اس کے لیے قربانی دینا کٹھن ہے' اس کے تقاضے بڑے مشکل ہیں۔ بات اچھی ہے' قبول بھی کرتے ہیں' لیکن عملاً اس کے تقاضے پورے

نہیں کرتے۔ ان کے لیے سورۃ النساء میں ﴿لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ تفصیل پہلے دو رکوعوں میں آئی ہے۔

اس کے بعد دوسرے دو رکوعوں میں گویا مکی قرآن کا خلاصہ آ گیا ہے۔ ایک رکوع میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ اور ایک رکوع میں قرآن مجید کا فلسفہ بیان کر دیا گیا۔ یہ مضامین اصل میں مکی سورتوں کے ہیں اور وہاں تفصیل سے زیر بحث آ چکے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کے نزول سے پہلے ان مضامین پر بہت مفصل بحثیں ہو چکی ہیں' لیکن چونکہ حکمتِ خداوندی میں اس مصحف کی ترتیب میں سب سے پہلے سورۃ البقرۃ ہے' لہٰذا سورۃ البقرۃ میں ان مضامین کا خلاصہ درج کر دیا گیا' تاکہ آگے بڑھنے سے پہلے وہ مضامین ذہن نشین کر لیے جائیں۔

اب بسم اللہ کر کے ہم سورۃ البقرۃ کے مطالعہ کا آغاز کر رہے ہیں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿الٓمّٓ ۝۱ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْہِ ۛ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝۲ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝۳ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ ۤ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۶ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ ؕ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ۡ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۷﴾

آیت ۱ ﴿الٓمّٓ ۝۱﴾ ''ا۔ ل۔ م۔'' یہ حروفِ مقطعات ہیں جن کے بارے میں یہ جان لیجیے کہ ان کے حقیقی' حتمی اور یقینی مفہوم کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے۔ یہ ایک راز ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مابین۔ حروف

مقطعات کے بارے میں اگرچہ بہت سی آراء ظاہر کی گئی ہیں' لیکن ان میں سے کوئی شے رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں ہے۔ البتہ یہ بات ثابت ہے کہ اس طرح کے حروفِ مقطعات کا کلام میں استعمال عرب میں معروف تھا' اس لیے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔ قرآن مجید کی ۱۱۴ میں سے ۲۹ سورتیں ایسی ہیں جن کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوا ہے۔ سورۂ قٓ' سورۃ القلم اور سورۂ صٓ کے آغاز میں ایک ایک حرف ہے۔ حٰمٓ' طٰہٰ اور یٰسٓ دو دو حرف ہیں۔ الٓمٓ اور الٓرٰ تین تین حروف ہیں جو کئی سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں۔ الٓمٓصٓ اور الٓمٓرٰ چار چار حروف ہیں۔ حروفِ مقطعات میں زیادہ سے زیادہ پانچ حروف یکجا آتے ہیں۔ چنانچہ کٓھٰیٰعٓصٓ سورۂ مریم کے آغاز میں اور حٰمٓ عٓسٓقٓ سورۃ الشوریٰ کے آغاز میں آئے ہیں۔ ان کے بارے میں اس وقت مجھے اس سے زائد کچھ عرض نہیں کرنا ہے۔ اپنے مفصل درسِ قرآن میں مَیں نے ان پر تفصیل سے بحثیں کی ہیں۔

آیت ۲ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ''یہ الکتاب ہے' اس میں کچھ شک نہیں۔'' یا ''یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔'' آیت کے اس ٹکڑے کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں۔ پہلے ترجمے کی رو سے یہ ہے وہ کتابِ موعود جس کی خبر دی گئی تھی کہ نبی آخر الزماں ﷺ آئیں گے اور اُن کو ہم ایک کتاب دیں گے۔ یہ گویا حوالہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پیشین گوئیوں کی طرف کہ جو تورات میں موجود تھیں۔ آج بھی ''کتاب مقدس'' کی کتاب استثناء (Deuteronomy) کے اٹھارہویں باب کی اٹھارہویں آیت کے اندر یہ الفاظ موجود ہیں کہ: ''میں ان (بنی اسرائیل) کے لیے ان کے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ اُن سے کہے گا۔'' تو یہ بائبل میں حضرت محمد ﷺ کی پیشین گوئیاں تھیں۔ آگے چل کر سورۃ الاعراف میں ہم اسے تفصیل سے پڑھ بھی لیں گے۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ یہی وہ کتابِ موعود ہے کہ جو نازل کر دی گئی ہے محمد رسول اللہ ﷺ پر۔ اس میں کسی شک و

شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں ہر شے اپنی جگہ پر یقینی ہے، حتمی ہے، اٹل ہے اور یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جو یہ دعویٰ لے کر اٹھی ہے کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ جو کتابیں آسمانی کہلائی جاتی ہیں اُن کے اندر بھی یہ دعویٰ کہیں موجود نہیں ہے، انسانی کتابوں میں تو اس کا سوال ہی نہیں ہے۔ علامہ اقبال جیسے نابغہ عصر فلسفی بھی اپنے لیکچرز کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ سب صحیح ہے، ہوسکتا ہے جیسے جیسے علم آگے بڑھے مزید نئی باتیں سامنے آئیں۔ لیکن قرآن کا دعویٰ ہے کہ **لَا رَیْبَ فِیْهِ** ''اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔'' پہلے ترجمہ کی رو سے ''**ذٰلِكَ الْكِتٰبُ**'' ایک جملہ مکمل ہو گیا اور ''**لَا رَیْبَ فِیْهِ**'' دوسرا جملہ ہے۔ جبکہ دوسرے ترجمہ کی رو سے ''**ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ**'' مکمل جملہ ہے۔ یعنی ''یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔''

﴿**هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ**﴾ ''ہدایت ہے پرہیزگار لوگوں کے لیے''۔ یعنی ان لوگوں کے لیے جو بچنا چاہیں۔ تقویٰ کا لفظی معنیٰ ہے بچنا۔ ''وَقٰی۔ یَقِی'' کا مفہوم ہے ''کسی کو بچانا'' جبکہ تقویٰ کا معنیٰ ہے خود بچنا۔ یعنی کج روی سے بچنا، غلط روی سے بچنا اور افراط وتفریط کے دھکوں سے بچنا۔ جن لوگوں کے اندر فطرتِ سلیمہ ہوتی ہے اُن کے اندر یہ اخلاقی حِس موجود ہوتی ہے کہ وہ بھلائی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ہر بری چیز سے بچنا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو قرآن مجید کے اصل مخاطبین ہیں۔ گویا جس کے اندر بھی بچنے کی خواہش ہے اس کے لیے یہ کتاب ہدایت ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں ہماری فطرت کی ترجمانی کی گئی تھی اور ہم سے یہ کہلوایا گیا تھا: ﴿**اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ**﴾ ''(اے پروردگار!) ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت بخش''۔ آیت زیر مطالعہ گویا اس کا جواب ہے: ﴿**ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ**﴾ لو وہ کتاب موجود ہے کہ جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور یہ ان تمام لوگوں کے لیے ہدایت کے تقاضوں کے اعتبار سے کفایت کرتی ہے جن میں غلط روی سے بچنے کی خواہش موجود ہے۔

وہ لوگ کون ہیں؟ اب یہاں دیکھئے تأویل خاص کا معاملہ آ جائے گا کہ اُس وقت رسول اللہ ﷺ کی تیرہ برس کی محنت کے نتیجہ میں مہاجرین وانصار کی ایک جماعت وجود میں آ گئی تھی، جس میں حضراتِ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن عبادہ اور سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہم جیسے نفوسِ قدسیہ شامل تھے۔ تو گویا اشارہ کر کے دکھایا جا رہا ہے کہ دیکھو یہ وہ لوگ ہیں، دیکھو لو اِن میں کیا اوصاف ہیں۔

آیت ۳ ﴿الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ ''جو ایمان رکھتے ہیں غیب پر۔'' یہ متقین کے اوصاف میں سے پہلا وصف ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بس جو کچھ ہماری آنکھوں سے نظر آ رہا ہے، حواسِ خمسہ کی زد میں ہے بس وہی کُل حقیقت ہے۔ نہیں! اصل حقیقت تو ہمارے حواس کی سرحدوں سے بہت پرے واقع ہوئی ہے۔

ہدایتِ قرآنی کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ انسان یہ سمجھ لے کہ جو اصل حقیقت ہے وہ اس کی نگاہوں سے مستور ہے۔ انگلستان کے بہت بڑے فلسفی بریڈلے کی کتاب کا عنوان ہے: ''Appearance and Reality''۔ اس نے لکھا ہے کہ جو کچھ نظر آ رہا ہے یہ حقیقت نہیں ہے، حقیقت اس کے پیچھے ہے، کنفیوشس چین کا بہت بڑا حکیم اور فلسفی تھا، اس کی تعلیمات میں اخلاقی رنگ بہت نمایاں ہے۔ اُس کا ایک جملہ ہے:

There is nothing more real than what can not be seen; and there is nothing more certain than what can not be heard.

یعنی وہ حقائق جو آنکھوں سے دیکھے نہیں جا سکتے اور کانوں سے سنے نہیں جا سکتے اُن سے زیادہ یقینی اور واقعی حقائق کوئی اور نہیں ہیں۔

﴿وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ﴾ ''اور نماز قائم کرتے ہیں۔'' اللہ کے ساتھ اپنا ایک ذہنی وقلبی اور روحانی رشتہ استوار کرنے کے لیے نماز قائم کرتے ہیں۔

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾﴾ ''اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی خیر میں، بھلائی میں، نیکی میں، لوگوں کی تکالیف دور کرنے میں اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے، اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اپنا مال خرچ

کرتے ہیں۔

آیت ۴ ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ ''اور جو ایمان رکھتے ہیں اُس پر بھی جو (اے نبی ﷺ) آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے''۔

﴿وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ''اور اس پر بھی (ایمان رکھتے ہیں) جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا''۔ یہ بہت اہم الفاظ ہیں۔ عام طور پر آج کل ہمارے ہاں یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ سابقہ آسمانی کتب تورات اور انجیل وغیرہ کے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں' اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ''کوئی ضرورت نہیں'' کی حد تک تو شاید بات صحیح ہو' لیکن ''کوئی فائدہ نہیں'' والی بات بالکل غلط ہے۔ دیکھئے قرآن کے آغاز ہی میں کس قدر اہتمام کے ساتھ کہا جارہا ہے کہ ایمان صرف قرآن پر ہی نہیں' اس پر بھی ضروری ہے جو اس سے پہلے نازل کیا گیا۔ سورۃ النساء کوئی چھ ہجری میں جا کر نازل ہوئی ہے' اور اس کی آیت ۱۳۶ کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول (محمد ﷺ) پر نازل کی ہے اور ہر اُس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔''

چنانچہ تورات' انجیل' زبور اور صحفِ ابراہیمؑ پر اجمالی ایمان کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ البتہ چونکہ ہم سمجھتے ہیں اور مانتے ہیں کہ ان کتابوں میں تحریف ہوگئی ہے لہٰذا اِن کتابوں کی کوئی شے قرآن پر حجت نہیں ہوگی۔ جو چیز قرآن سے ٹکرائے گی ہم اس کو ردّ کر دیں گے اور ان کتابوں کی کسی شے کو دلیل کے طور پر نہیں لائیں گے۔ لیکن جہاں قرآن مجید کی کسی بات کی نفی نہ ہو رہی ہو وہاں ان سے استفادے میں کوئی حرج نہیں۔ بہت سے حقائق ایسے ہیں جو ہمیں ان کتابوں ہی سے ملتے ہیں۔ مثلاً انبیاء ؑ کے درمیان زمانی ترتیب (Chronological Order) ہمیں تورات سے ملتی ہے' جو

قرآن میں نہیں ہے۔ قرآن میں کبھی حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بعد میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلے آ جاتا ہے۔ یہاں تو کسی اور پہلو سے ترتیب آتی ہے' لیکن تورات میں ہمیں حضراتِ ابراہیم' اسحاق' یعقوب' انبیاء بنی اسرائیل موسیٰ اور عیسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کی تاریخ ملتی ہے۔ اس اعتبار سے سابقہ کتب سماویہ کی اہمیت پیشِ نظر رہنی چاہیے۔

﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ ''اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔'' یہاں نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ باقی سب چیزوں کے لیے تو لفظ ایمان آیا ہے جبکہ آخرت کے لیے ''ایقان'' آیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کے عمل کے اعتبار سے سب سے زیادہ مؤثر شے ایمان بالآخرۃ ہے۔ اگر انسان کو یہ یقین ہے کہ آخرت کی زندگی میں مجھے اللہ کے حضور حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے تو اس کا عمل صحیح ہو گا۔ لیکن اگر اس یقین میں کمی واقع ہو گئی تو توحید بھی محض ایک عقیدہ (Dogma) بن کر رہ جائے گی اور ایمان بالرسالت بھی بدعات کو جنم دے گا۔ پھر ایمان بالرسالت کے مظاہر یہ رہ جائیں گے کہ بس عید میلاد النبیؐ منا لیجیے اور نعتیہ اشعار کہہ دیجیے' اللہ اللہ خیر صلاّ۔ انسان کا عمل تو آخرت کے یقین کے ساتھ درست ہوتا ہے۔

﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ کے الفاظ میں یہ مفہوم بھی ہے کہ ''آخرت پر انہی کا یقین ہے''۔ یہاں گویا حصر بھی ہے۔ اس اعتبار سے کہ یہودی بھی مدعی تھے کہ ہم آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہاں تضاد (contrast) دکھایا جا رہا ہے کہ آخرت پر یقین رکھنے والے تو یہ لوگ ہیں! تاویل خاص کے اعتبار سے یہ کہا جائے گا کہ یہ لوگ تمہاری نگاہوں کے سامنے موجود ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کی تیرہ برس کی کمائی ہیں۔ جو انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج یعنی تلاوتِ آیات' تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت کا نتیجہ ہیں۔

آیت ۵ ﴿اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں''۔ وہ ابتدائی ہدایت بھی ان کے پاس تھی اور اس تکمیلی

ہدایت یعنی قرآن پر بھی ان کا پورا یقین ہے' اور محمد ﷺ کا اتباع بھی وہ کر رہے ہیں۔

﴿وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ''اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں''۔ ''فلاح'' کا لفظ بھی قرآن مجید کی بہت اہم اصطلاح ہے۔ اس کا معنی ہے منزلِ مراد کو پہنچ جانا' کسی باطنی حقیقت کا عیاں ہو جانا۔ اس پر اِن شاء اللہ سورۃ المؤمنون کے شروع میں گفتگو ہوگی۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ فلاح پانے والے' کامیاب ہونے والے' منزلِ مراد کو پہنچنے والے اصل میں یہی لوگ ہیں۔ تاویلِ خاص کے اعتبار سے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ ہو گیا' جبکہ تاویلِ عام کے اعتبار سے ہر شخص کو بتا دیا گیا کہ اگر قرآن کی ہدایت سے مستفید ہونا ہے تو یہ اوصاف اپنے اندر پیدا کرو۔

آیت ۶ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا (یعنی وہ لوگ کہ جو کفر پر اڑ گئے) ان کے لیے برابر ہے (اے محمد ﷺ) کہ آپ انہیں انذار فرمائیں یا نہ فرمائیں' وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں''۔

''اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جو اپنے کفر پر اڑ گئے۔ اس کو ہم تاویلِ عام میں نہیں لے سکتے۔ اس لیے کہ اس صورت میں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جس شخص نے کسی بھی وقت کفر کیا اب وہ ہدایت پر آ ہی نہیں سکتا! یہاں یہ بات مراد نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مغالطہ کی بنا پر یا عدمِ توجہی کی بنا پر کفر میں ہے' حق اس پر واضح نہیں ہوا ہے تو انذار و تبشیر سے اسے فائدہ ہو جائے گا۔ آپ اسے وعظ و نصیحت کریں تو وہ اس کا اثر قبول کرے گا۔ لیکن جو لوگ حق کو حق سمجھنے اور پہچاننے کے باوجود محض ضد' ہٹ دھرمی اور تعصب کی وجہ سے یا تکبر اور حسد کی وجہ سے کفر پر اَڑے رہے تو ان کی قسمت میں ہدایت نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! ان کے لیے برابر ہے خواہ آپ انہیں سمجھائیں یا نہ سمجھائیں' ڈرائیں یا نہ ڈرائیں' انذار فرمائیں یا نہ فرمائیں' وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اس لیے کہ سوتے کو تو جگایا جا سکتا

ہے' جاگتے کو آپ کیسے جگائیں گے؟ یہ گویا مکہ کے سرداروں کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ ان کے دل اور دماغ گواہی دے چکے ہیں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں قرآن ان پر اتمامِ حجت کر چکا ہے اور وہ مان چکے ہیں کہ قرآن کا مقابلہ ہم نہیں کر سکتے' یہ محمد (ﷺ) کا مکمل معجزہ ہے' اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے۔

آیت ۷ ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ﴾ ''اللہ نے مہر کر دی ہے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر''۔ ایسا کیوں ہوا؟ ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر ابتدا ہی میں نہیں لگا دی گئی' بلکہ جب انہوں نے حق کو پہچاننے کے بعد ردّ کر دیا تو اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اور ان کی سماعت پر بھی۔

﴿وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز﴾ ''اور ان کی آنکھوں کے سامنے پردہ پڑ چکا ہے''۔ یہ مضمون سورۃ یٰسٓ کے شروع میں بہت شرح و بسط کے ساتھ دوبارہ آئے گا۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے''۔

یہ دوسرے گروہ کا تذکرہ ہو گیا۔ ایک رکوع (کُل سات آیات) میں دو گروہوں کا ذکر سمیٹ لیا گیا۔ ایک وہ گروہ جس نے قرآن کریم کی دعوت سے صحیح صحیح استفادہ کیا' اُن میں طلب ہدایت کا مادہ موجود تھا' ان کی فطرتیں سلیم تھیں' ان کے سامنے دعوت آئی تو انہوں نے قبول کی اور قرآن کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔ وہ گلستانِ محمدیؐ کے گلِ سرسبد ہیں۔ وہ شجرۂ قرآنی کے نہایت مبارک اور مقدس پھل ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جس نے حق کو پہچان بھی لیا' لیکن اپنے تعصب یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس کو ردّ کر دیا۔ اُن کا ذکر بھی بہت اختصار کے ساتھ آ گیا۔ ان کا تفصیلی ذکر آپ کو مکی سورتوں میں ملے گا۔ اب آگے تیسرے گروہ کا ذکر آ رہا ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁